قانون انفساخ نکاح مسلم قاضی بل اور قاضی بل

کی

سرگزشت

جمعیۃ علماء ہند اور عمائدین لیگ کے

کارنامے

قرآن حکیم ایک مکمل قانون ہے عرش معلیٰ سے نازل فرمودہ۔ انسانی خطا اور لغزش سے پاک۔ اس کا ہر حکم صحیح۔ ہر جملہ صحیح۔ ہر فقرہ صحیح۔ ہر حصہ پر ایمان لانا فرض۔ ہر حکم پر عمل کرنا لازم۔ اس کے ہر نظریہ کو تسلیم کرنا شرط ایمان۔ قانون حکومت کی طاقت چاہتا ہے۔ حکومت کے بغیر قانون ایک قالب ہے بے جان۔ ایک جسم ہے بے روح۔

علماء ملت اس حقیقت کو پہچانتے ہیں۔ وہ جس طرح کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں جس طرح اس کی عظمت اور احترام کا سکہ ان کے قلوب پر ہے جس طرح اس کی قانونی شوکت وحشمت ان کے دل و دماغ پر حاوی ہے اسی طرح وہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرانا بھی فرض سمجھتے ہیں۔ یعنی وہ ایک ایسی آزاد حکومت کا قیام فرض سمجھتے ہیں جو قرآن حکیم کی اس حیثیت کو تسلیم کرکے اس پر عمل پیرا ہو۔ وہ ایسی آزاد حکومت کے قیام کے لئے ہر ایک جدوجہد کو فرض سمجھتے ہیں۔ اگر اس کے لئے ان کو دوسری کسی قوم سے تعاون، اشتراک عمل کرنا پڑے وہ اس کو بھی

فرض سمجھتے ہیں کیونکہ وسیلۂ فرض فرض ہوتا ہے۔ اس اہم نصب العین کی خاطر وہ جزئیات کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ شرعاً یا عقلاً یہ جائز ہے کہ جزئیات کے لئے اصول کو قربان کردیا جائے۔

دورِ خلافت راشدہ کے بعد تقریباً چھ سو برس تک دنیا ء آباد کا بیشتر حصہ مسلم فرمانرواؤں کی نصرت اور فیروزمندی کے قدم چومتا رہا اور عساکرِ اسلام کی حشمت وشوکت اپنے تمام رقیبوں اور حریفوں کی نگاہوں کو خیرہ کرتی رہی لیکن پھر خود مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں نے وہ حالت پیدا کردی جس سے قرآن پاک نے ڈرایا تھا کیونکہ اس کا نتیجہ خود قرآن حکیم کے الفاظ میں یہ تھا کہ فتفشلوا وتذھب ریحکم۔ تم بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ چنانچہ عیسائی دنیا جس سے جنگ کا آغاز اسی وقت ہوگیا تھا جب کہ خود سرورِ کائنات رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک ۸ھ میں "غزوہ مونہ" کے موقعہ پر عیسائی فوجوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچازاد بھائی اور حضرت علی بن ابی طالب کے حقیقی بڑے بھائی یعنی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبِ خاص محبِ صادق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور اس لشکرِ اسلام کے تیسرے سالارِ اعظم حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اور ان کے ساتھ مسلم مجاہدین صحابہ کی ایک جماعت کو شہید کردیا تھا۔

یہ عیسائی دنیا جو اسلام کی پوری تاریخ میں اسلام کی حریف اور مسلمانوں سے نبرد آزما رہی۔ سات سو برس کی متواتر شکستوں کے بعد اندرونی خامیاں دور کرکے ایک تازہ دم دشمن کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کھڑی ہوگئی

عہ وضو۔ غسل درحقیقت مقصود بالذات عبادت نہیں۔ لیکن یہ فرض کی حیثیت حاصل کرلیتے ہیں کیونکہ نماز بلا وضو یا بلا غسل جنابت ادا نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح بقاء زندگی کے لئے کھانا پینا فرض ہوجاتا ہے۔ جب کہ کھائے پئے بغیر زندگی کے ختم ہوجانے کا خطرہ ہو

اسپین (اندلس) سے نہ صرف اسلامی طاقت کو ختم کیا بلکہ مسلمانوں کا نام و نشان بھی مٹا دیا۔ اسپین کے علاوہ سسلی۔ مالٹا۔ ٹیونس وغیرہ دیگر اسلامی جزائر اور ممالک پر اس نے قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

برسر اقتدار مسلم فرمانرواؤں کے ان اعمال و اطوار کی بنا پر جن کا اس وقت ذکر نہ کرنا بہتر ہے) جب علماء اسلام کی اصلاحی اور انقلابی کوششیں ناکام رہیں تو تا حد امکان مسلمانوں کے معاشی اور سماجی نظام کو قائم رکھنے اور خود مسلمانوں کے اندرونی معاملات کو اپنے طور پر احکام اسلام کے بموجب طے کرنے اور سلجھانے کے لئے انہوں نے مسلمانوں کا معاشی نظام قائم کیا۔ اور نکاح۔ طلاق۔ فسخ نکاح۔ وراثت وغیرہ۔ اور اسلام کے ایک مخصوص نظم کے بموجب جمعہ، جماعتوں اور عید کی نمازوں کے متعلق قاضی اور والی مقرر کئے اور ان معاشی معاملات میں حکومت متسلطہ سے ان قاضیوں اور والیوں کے لئے اختیارات حاصل کئے اور عام مسلمانوں کے لئے فتویٰ صادر کیا کہ

اما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیہم طلب والٍ مسلم	وہ شہر جن کے فرمانروا کفار ہوں۔ وہاں مسلمانوں کیلئے جمعہ اور عیدوں کا ادا کرنا جائز ہے اور مسلمان اپنی رضا سے کسی کو قاضی بنا دیں تو وہ قاضی ہو جائیگا اور مسلمانوں پر والی مسلم کا طلب کرنا واجب ہوگا۔

رد المحتار ص۲۷۰ ج۳۔ آخر فصل استیمان الکافر قبیل باب العشر والخراج والجزیۃ والیضاً رد المحتار ص۵۹۵ ج۱ باب الجمعہ۔

یہ سب اس لئے کہ شرعی نظام اجتماعی کے بغیر مسلمان کی زندگی گویا اسلام کے تخیل سے بھی خارج ہے۔

اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصہ کے حالات یہ ہیں:۔

ہندوستان میں غیر مسلم حکام کے تسلط کا آغاز گیارھویں صدی ہجری اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط سے ہوا۔ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں نکاح۔

فسخ نکاح ۔ امامت ۔ نابالغوں کی تولیت وغیرہ۔ نیز دیوانی اور فوجداری کے مقدمات قاضیوں کے سپرد تھے۔ سلطان عالمگیر نے اپنے زمانہ میں مسائل فقہ کا وہ مجموعہ مرتب کرایا جو فتاویٰ ہندیہ یا فتاویٰ عالمگیریہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہی اس زمانہ کا قانون تھا۔ یہ محکمہ ایک قاضی القضاۃ کے ماتحت رہتا تھا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا عروج ہو رہا تھا۔ عام مسلمان اس عروج کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کی طاقت اگرچہ منتشر تھی۔ خود غرض وزراء اور آرام طلب یا نااہل امراء کے جھگڑوں نے عالمگیرؒ کے بنائے ہوئے متحدہ ہندوستان کو درجنوں حکومتوں اور ریاستوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ مگر عام مسلمان علماء مجاہدین کی زیر سرکردگی انگریزوں سے تقریباً ایک صدی[1] تک جہاد کرتے رہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ڈبلو ڈبلو ہنٹر کی کتاب کا ترجمہ "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے عنوان سے اقبال اکاڈمی لاہور نے شائع کیا ہے۔ انگریز جو اپنی ڈپلومیسی میں تمام دنیا سے فائق ہے اور رفتہ رفتہ تسلط جمانے کا عادی ہے۔ اس نے ابتداء ہی میں وہ سب کچھ نہیں کیا جو اسکا آخری منشا تھا۔ بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ابتداء میں قاضیوں کے سلسلہ کو بحالہ قائم رکھا۔ ابتداء میں عدالتوں کا کام انگریز ججوں کے سپرد کیا گیا تو ان کے ساتھ مسلمانوں کے لئے قاضی اور مفتی اور ہندوؤں کے لئے پنڈت مقرر کر دیئے۔ جج محض قاضی

---

[1] جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء سے جہاد حریت ۱۸۵۷ء تک پورے ایک سو سال اس جہاد میں صرف ہوئے۔ علماء کی جدوجہد اس کے بعد بھی جاری رہی۔ جیسا کہ ابتداء رسالہ میں ذکر کیا جا چکا ہے اور شاندار ماضی نیز "عہد برطانیہ میں علماء حق کے مجاہدانہ کارناموں" میں ان کی تشریح ہے مگر فرق صرف یہ ہوا ۱۸۵۷ء تک صرف ہندوستانیوں کے اعتماد پر انقلاب کی کوشش تھی۔ اس کے بعد بیرونی طاقتوں سے سازباز شروع کر دی گئی۔ حتیٰ کہ ۱۹۱۹ء میں عدم تشدد کی پالیسی اختیار کر کے ہندو مسلم اشتراک عمل کے ساتھ جنگ آزادی کا فیصلہ کیا گیا۔

اور مفتی کے فتوے کو تحریر کر دیتے تھے۔

لیکن یہ حالت نہ باقی رکھنی تھی نہ باقی رکھی گئی۔ ملک کے قوانین میں رفتہ رفتہ تبدیلیاں شروع کر دی گئیں۔ تاکہ اس کو مغربی ڈھچر پر جاری کر دیا جائے بلکہ ایک ایسا قانون بنا دیا جائے جو نہ مغربی ہو نہ مشرقی۔ ہاں غلاموں کے عین مناسب ہو اور بقاء غلامی کا بہترین وثیقہ ہو۔ مثلاً ہندو اور مسلمان دونوں زنا اور اغواء کو انتہا درجہ شرم ناک جرم سمجھتے ہیں۔ لیکن یورپین تہذیب میں یہ صرف ایک تفریحی مشغلہ ہے بشرطیکہ حد تفریح سے آگے نہ بڑھے۔

چنانچہ ۱۸۴۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک قانون بنا کر عورت کو جرم سے بری کر دیا یعنی عصمت فروشی اور عصمت دری کے باوجود وہ معصوم اور مرد کے لئے صرف معمولی سی سزاء قید تجویز کی۔ وہ بھی اس شرط پر کہ عورت کا شوہر دعویٰ دائر کرے[1] اور استغاثہ کا حق صرف اس کے شوہر کو دیا گیا۔ غرض اس قسم کے قوانین نے دن بدن ترقی شروع کی اور آج جو قوانین ملک کی حالت ہے وہ سامنے ہے۔

علماء ہند جب صرف ہندوستانیوں کے اعتماد پر انقلابی تحریکوں میں ناکام ہو گئے تو حکومت ہند کے انقلاب اسلام کے معاشی اور سماجی نظام کے قیام کی دوسری صورتیں اختیار کیں (جن کی تفصیل اس مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتی) حتیٰ کہ ۱۹۱۹ء میں تشدد کے ذریعہ انقلاب کے بجائے "مقاومۃ بالصبر" یا عدم تشدد کی پالیسی اختیار کی گئی اور ہندو مسلم اشتراک عمل کے ذریعہ آئینی جنگ کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس سے

---

[1] ایک واقعہ کا ذکر کر دینا مناسب ہے۔ دفعہ ۴۹۷ و دفعہ ۴۹۸ تعزیرات ہند جو اغواء اور زنا کے متعلق ہے اور جس میں صرف مرد کو سزا ہے عورت کو نہیں ہے۔ اس میں محمد احمد صاحب کاظمی نے ایک ترمیم پیش کی کہ عورت اور اخلاقی مرد اور عورت دونوں کو مجرم گردانتے ہیں لہذا دونوں کو سزا ہونی چاہئے۔ بات معقول تھی مگر لیگ کے حضرات نے حمایت نہ کی اور سر رضا علی صاحب نے ایک دھواں دھار تقریر کر دی کہ عورتوں کو آزادی ملنی چاہئے۔

ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لئے ایک دینی نظم قائم کرنے کی غرض سے اولاً علماء کی تنظیم کا فیصلہ کیا گیا۔ جو "جمعیۃ علماء ہند" کی شکل میں بفضلہ تعالیٰ مسلمانان ہند کے سامنے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دینی نظم وہی ہو سکتا ہے جو وارثان انبیاء علیہم السلام کی زیر قیادت ہو جن کو شریعت غراء کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور جن کو اولی الامر کا خطاب دے کر عام مسلمانوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حضرت حق جل مجدہ کا حکم ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

اسی کے ساتھ ساتھ فقہاء کے مذکورہ بالا قول کے بموجب کہ ایک والی مسلم کی طلب مسلمانوں پر واجب ہوتی ہے۔ امارت شرعیہ کا قیام جمعیۃ علماء ہند کے پیش نظر رہا۔ اگرچہ صرف صوبہ بہار میں اس پر عمل ہو سکا۔ مگر باقی صوبجات میں جد وجہد جاری ہے جیسا کہ امارت شرعیہ فی الہند کے بیان میں گزر چکا۔

جمعیۃ العلماء کے نظام دینی میں عام مسلمانوں کو شامل کرنے کے لئے جمعیۃ علماء کی ۴ر والی ممبری کا سلسلہ قائم کیا گیا اور چند شرائط کے ساتھ جمعیۃ العلماء کے نظام کو جمہوری نظام بنا دیا گیا (وللہ الحمد)

اس تمام عبر کاری اور آزاد جد وجہد کے ساتھ یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ آئین ساز اسمبلیوں کے ذریعہ سے جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کے لئے شریعت کے مطابق قوانین بنوائے جائیں۔

اسمبلیوں کی قانون سازی سے اگرچہ وہ فرض نہیں ادا ہوتا جو مسلم پر بحیثیت مسلم عائد ہوتا ہے کیونکہ اسمبلی کا وضع کردہ قانون اگر کلیتہً شریعت کے مطابق بھی ہو تب بھی وہ اسمبلی کا قانون ہوگا۔ اور مسلمان پر فرض یہ ہے کہ وہ خود قرآن کو قرآن کی حیثیت سے تسلیم کرے اور بحیثیت قانون اس کے احکام نافذ کرائے جب تک "ان الحکم الا للہ" کے بموجب حکم اور قانون صرف اللہ کا نہیں مانا جائے گا مسلم اپنے فرض سے سبکدوش نہ ہوگا تاہم اتنا فائدہ ضرور ہو سکتا ہے کہ عملی حیثیت سے قانونی فیصلے شریعت کے مطابق ہو جاتے ہیں اور مسلمان

فیصلہ کرنے والوں پر خلاف شرع فیصلہ کا گناہ نہیں عائد ہوتا اور عمل کرنے والے کو بھی خلاف شرع حکم کی تعمیل پر مجبور نہیں ہونا پڑتا۔ نیز اس قسم کے قوانین کے لئے اگر مسلم حکام کی شرط منظور کر لی جائے تو آئینی طور پر مسلمانوں کا ایک معاشی نظام بآسانی قائم ہو سکتا ہے۔ جو رفتہ رفتہ نہایت مستحکم نظام شرعی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے علاوہ ازیں اگر دورِ حاضر میں کوئی ایسا نظام قائم ہو جائے تو آزاد یا خود مختار ہندوستان میں بھی وہ واجب التسلیم ہوگا اور اس طرح کلچرل اٹانمی (یعنی مذہبی اور معاشی آزادی) کا مطالبہ آزاد ہندوستان میں ایک بنا بنایا تسلیم کردہ نظام ہوتا۔ اس وقت نہ کمیونسٹوں کی لامذہبیت اثر انداز ہو سکتی تھی نہ بیچ پڑوں کی بیچ پیت روڑا اٹکا سکتی تھی۔ ان تمام امور کا لحاظ کرتے ہوئے صوبہ سرحد کی اسمبلی میں جہاں مسلمانوں کی کافی اکثریت ہے شریعت بل منظور کرایا گیا اور اس زمانہ کے اخبارات کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں جمعیۃ العلماء نے اور اس کے صدر محترم حضرت علامہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے کتنی جدوجہد کی۔

لیکن افسوس مرکزی اسمبلی میں پہنچکر مسٹر جناح کی ترمیم اور حامیان مسٹر جناح کی ہمنوائی سے یہ بل اگرچہ قانون بنا مگر قطعاً غیر . . . . مؤثر اور اپنی اصلی روح سے سراسر خالی۔

قانون فسخ نکاح کے سلسلہ میں اس تمام پس منظر کے علاوہ ایک نہایت دردناک صورت اور بھی پیش تھی۔ اسلامی تعلیم اور اسلامی اخلاق سے بیگانگی کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان مرد خانگی زندگی میں یا تو یورپ کی اتباع کرکے عورتوں کو مطلق العنان اور قطعاً آزاد کر دیتے ہیں یا زمانہ جاہلیت کی متابعت کرتے ہوئے ان کے حق میں خونخوار درندے بن جاتے ہیں پہلی صورت کے نتیجہ میں لامذہبیت دہریت۔ بے حجابی اور بے حیائی کو فروغ ہو رہا ہے

اور دوسری صورت کا خطرناک اور نہایت افسوسناک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورتیں ان ظالم شوہروں سے نجات پانے کے لئے یا تو ایک دردناک زندگی کا شکار

ہو کر عمر بھر سسکتی رہتی ہیں - ورنہ اغواء وغیرہ کے جرائم کی مرتکب ہوتی ہیں -
اور سب سے بدتر یہ کہ ظالم شوہروں سے گلوخلاصی کے لئے (معاذ اللہ) تبدیل مذہب
اور ارتداد کی شکل نکالیں گی جس کے نتیجہ میں ہر سال سینکڑوں بلکہ ہزاروں عورتیں
تمام ہندوستان اور بالخصوص صوبہ پنجاب میں عیسائی یا آریہ ہونے لگیں - اور
ان کی تعداد ..... روز افزوں ترقی کرتی گئی -

یہ حالت اس وجہ سے اور بھی خراب ہو گئی کہ پنجاب ہائی کورٹ کی نظیریں اس
مضمون کی ہوئیں کہ اگر کوئی عورت محض یہ کہہ دے کہ اس نے مذہب اسلام
چھوڑ دیا ہے تو اس کا یہ کہنا فسخ نکاح کے لئے بالکل کافی ہے حالانکہ اس قسم کا
ارتداد بیشتر بلکہ تمام تر فرضی اور نمائشی ہوتا ہے - کورٹ اس امر کا ثبوت پیش
کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ یہ ارتداد اور تبدیلی مذہب محض فرضی ہے
(تقریر محمد احمد کاظمی بسلسلہ قاضی بل اجلاس اسمبلی ۵ اپریل ۱۹۳۹ء)

اس حالت کی روز افزوں ترقی نے علماء ملت کو سراسیمہ کر دیا - انہوں نے
بالخصوص سابق صدر جمعیۃ العلماء مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب - شیخ الاسلام
حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہما اور حضرت حکیم الامۃ مولینا
محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے اجتماعی طور پر اس مسئلہ کی طرف
خاص توجہ کی چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے قیام سے چند سال بعد (۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء) میں
ان حضرات نے اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ فرمائی کہ ہندوستان میں قاضی شرع
نہ ہونے کی صورت میں ان مظلوم اور مجبور عورتوں کے لئے کیا انتظام کیا جائے
جو شوہروں کے ظلم و تعدی یا مفقود اور لاپتہ ہو جانے کی وجہ سے انتہائی
پریشانیوں میں مبتلا ہیں -

چونکہ اس سلسلہ میں بہت سے مسائل بضرورت شدیدہ مذہب مالکیہ سے
لینے ضروری تھے نیز ان مسائل کو اختیار کرنے میں علماء حنفیہ سے مشاورت
ضروری تھی اس لئے مدینہ طیبہ مکہ معظمہ وغیرہما کے علماء مالکیہ سے عرصہ دراز

تک تنقیح مسائل کے لئے خط وکتابت اور بار بار مراجعت ہوتی رہی۔ چنانچہ پانچ چھ سال کی جد وجہد اور تحقیق وتدقیق کے بعد الحمد للہ ایک مکمل قانون شرعی طیار ہوگیا اور ۱۳۵۱ھ میں اس مجموعہ کو "حیلۂ ناجزہ" کے نام سے شائع بھی کر دیا گیا۔ پھر ایک مسودہ قانون انفساخ نکاح مرتب کر کے جناب سید محمد احمد صاحب کاظمی کے ذریعے اسمبلی میں پیش کرایا گیا۔[۱]

یہ بل رائے عامہ کے لئے مشتہر کیا گیا۔ ہندو مہاسبھا اور بعض آریہ سماجوں کی طرف سے شدت سے اس کی مخالفت ہوئی۔ مسلم لیگی ممبران نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی البتہ کانگریسی ہندو ممبران اسمبلی نے ساتھ دیا اور ۱۹۳۹ء میں یہ بل اسمبلی میں منظور ہوگیا۔ جو قانون انفساخ نکاح اہل اسلام ۱۹۳۹ء سے موسوم ہوا لیکن گورنمنٹ نے مسلم حاکم کی دفعہ کو ماننے سے قطعاً انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ ظاہر کر دیا گیا کہ اگر اس دفعہ پر اصرار کیا گیا تو وہ پورے قانون کو نافذ نہ ہونے دے گی۔ بہرحال وہ دفعہ اس قانون میں نہیں رکھی گئی اور یہ قانون اس صورت سے منظور ہوا کہ اس کا نقصان نفع سے زیادہ تھا۔

اس نقص اور خامی کے تدارک کے لئے مسلم قاضی بل کا مسودہ تیار کیا گیا۔ اور ۱۹۴۲ء میں یہ مسودہ بل پیش کیا گیا۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے اس مسودہ کی ترتیب میں نمایاں حصہ لیا۔ جس کا منشاء یہ تھا کہ قاضیوں کا ایک نظام قائم کیا جائے اور نکاح اور طلاق کے معاملات قاضیوں کے سپرد کر دیئے جائیں۔ لیکن گورنمنٹ نے پھر قاضیوں کو نکاح اور انفساخ کے

---

[۱] یہ بل ۲۶ اگست ۱۹۳۸ء اور ۲۰ ستمبر ۱۹۳۸ء کو مرکزی اسمبلی میں زیر بحث آنے کے بعد ایک منتخب کمیٹی کے سپرد ہوگیا تھا۔ مسٹر جناح بحث کے دنوں میں غیر حاضر رہے مسلم لیگ نے باقاعدہ حمایت نہیں کی لیگی ممبران کی یہ سرد مہری دیکھ کر سرکاری ممبر نے مسلم جج یا مسلم حاکم کی قید جو اس بل میں تھی مخالفت کی اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس شرط کو واپس نہ لیا جائے گا تو گورنمنٹ پورے قانون کو نفاذ سے روک دے گی۔ (ماخوذ از رپورٹ اسمبلی)

اختیارات دینے سے انکار کر دیا اور مسلم لیگی ممبر صاحبان نے مجرمانہ خاموشی اور اتفاقی اختیار کی

بالآخر مجبوراً مسلم قاضی بل کا وہ حصہ جو نکاح پڑھانے سے متعلق تھا جداگانہ قاضی بل کے نام سے ۱۹۴۲ء میں پیش کیا گیا اور اس دوران میں مسلم قاضی بل کو بھی جاری رکھا گیا منشا یہ تھا کہ قاضیوں کا ایک مرتبہ نظام مقرر ہو جائے تو پھر نکاح اور طلاق وغیرہ معاملات ان کے سپرد کرنے میں اتنی دشواری نہ ہو گی۔

چنانچہ گورنمنٹ نے قاضی بل کو رائے عامہ کے لئے مشتہر کرنے میں مخالفت نہیں کی۔ آراء کی کثرت بل کے موافق تھی۔ بالآخر گورنمنٹ نے اپنا منشا ظاہر کر دیا کہ اگر مسلم ممبران اسمبلی اس کی تائید کریں گے تو گورنمنٹ کو اس کے مان لینے میں کوئی عذر نہ ہو گا چنانچہ مسودہ کے محرک مولوی محمد احمد صاحب کاظمی نے سیلیکٹ کمیٹی (منتخبہ کمیٹی) کی تحریک کی اور اس میں ممبران مسلم لیگ کی اکثریت رکھی مسلم لیگ کے ممبران اسمبلی سے اس بارہ میں گفت و شنید کی لیکن ان کی رائے قائم کرنے میں بہت دیر لگی متواتر تقاضوں کے بعد انہوں نے اپنا جلسہ کر کے کاظمی صاحب کو اطلاع دی کہ چونکہ مختلف صوبوں میں مختلف رواج ہیں اس لئے وہ اس بل کے مخالف ہیں۔ جب لیگی ممبران اسمبلی سے جو حفاظت اسلام کے سب سے بڑے مدعی ہیں اور کلچر اسلام کے تحفظ کے نام پر مسلمانوں کو دھوکا دے کر ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ تین سال کی گفت و شنید کے بعد بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو اپریل ۱۹۴۵ء میں اس بل کو پیش کر دیا گیا۔ افسوس مسلم لیگ کے حضرات نے اس بل کی مخالفت کی اور مسلم لیگ کے معزز رکن سر محمد یامین نے ایک توہین آمیز اور مضحکہ خیز تقریر کی جس میں محمد احمد صاحب کاظمی پر نہایت مکروہ اور تلخ انداز میں ذاتی حملے بھی کئے جو تہذیب اور شرافت اور آداب مجالس کے لحاظ سے نہایت شرمناک ہیں۔ (اسمبلی کی رپورٹ میں سر یامین کی وہ تقریر بھی محفوظ ہے) لطف یہ ہے کہ لیگی ممبران نے جو اسلامی قومیت کے نام پر علماء ربانی کو چوبیس گھنٹے کوستے رہتے ہیں۔ عین اس زمانہ میں کہ اسلام کی عالمگیر قومیت کے ڈھول پیٹ کر حضرت مولانا حسین احمد صاحب اور ان کے رفقاء کو بدنام کر رہے تھے۔ اپنی مخالفت کی دلیل یہ پیش کی کہ مختلف صوبوں میں

مختلف رواج ہیں۔ محمد احمد صاحب کاظمی نے اس کا جواب نہایت معقول دیا کہ "ہندو جن کا قانون اور رواج چپہ چپہ پر مختلف ہے۔ وہ تمام ہندوستان کے لئے ایک عام قانون بنانا چاہ رہے ہیں اور اس کے لئے رائو کمیٹی بھی مقرر کر دی ہے مگر تعجب ہے کہ مسلمان جن کا قانون تمام دنیا کے لئے ایک ہے وہ رواج کی بنا پر اس سے انکار کر رہے ہیں"۔ کاظمی صاحب نے اس بل کے متعلق باہمی سمجھوتہ کی پوری پوری کوشش کی حتیٰ کہ اس پر بھی آمادگی ظاہر کی کہ میں اس بل کو واپس لے لوں گا آپ حضرات کوئی بل پیش کر دیں۔ مگر افسوس وہ قائدین لیگ جو اقتدار علماء کے زوال ہی میں اپنی ترقی سمجھتے ہیں اور قائداعظم کے اس فخریہ اعلان پر کہ میں نے علماء کا اقتدار ختم کر دیا ہے خوشیاں مناتے ہیں۔ کسی طرح بھی تائید کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور حکومت کو اس عذر کرنے کا موقعہ دے دیا کہ چونکہ لیگ پارٹی مخالف ہے اس لئے حکومت اس بل کی تائید نہیں کر سکتی۔

(ملاحظہ ہو تقریر راسوک رائے ممبر قانون)

اب یہ اس افسوس ناک سرگزشت کو مولوی محمد احمد صاحب اور سر محمد یامین صاحب کی تقریروں کے خلاصہ پر ختم کرتے ہیں اور چونکہ سر محمد یامین صاحب نے اپنی تقریر میں یہ اعتراض کیا تھا کہ محمد احمد صاحب نے یہ بل صرف خاندانی قاضیوں کے فائدہ کے لئے پیش کیا ہے اور قاضی کی نکاح خوانی کی جو فیس مقرر کی ہے وہ مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے لہٰذا ہم اس بل کی چند دفعات کا خلاصہ نقل کئے دیتے ہیں۔

دفعہ ۱۔ صوبہ کی گورنمنٹ ہر ضلع میں نکاح خوانی اور دیگر امور مذہبی کی ادائیگی کے لئے قاضی کا تقرر کرے گی اور مقدمات نکاح۔ طلاق خلع وغیرہ کے تصفیہ کے لئے ایک یا ایک سے زائد پنچایتیں مقرر کرے گی اور قاضیوں کے ممبران کی نامزدگی اور ان کے کاموں کی نگرانی وغیرہ کے لئے ہر ضلع میں ایک کمیٹی مقرر کرے گی جو ضلع کمیٹی کے نام سے نامزد کی جائیگی

(خلاصہ) دفعہ ۲ ضلع کمیٹی، ضلع کے جج، کلکٹر، مسلم وکیل (جس کا انتخاب
وکلاء کریں گے) مسلم ممبر میونسپل بورڈ اور ایک مسلمان ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ
(جس کا انتخاب بورڈ کے مسلم ممبران کریں گے) اور سند یافتہ علماء جن کا
انتخاب علماء کریں گے۔ پر مشتمل ہوگی۔

دفعہ ۴ عہدہ قاضی پر تقرر کے لئے قاضی میں صفات ذیل ضروری ہونگی
(۱) دیانتدار اور پرہیزگار ہو، تعلیم یافتہ ہو، مسائل نکاح سے
بخوبی واقف ہو۔ اور جو قاضی تصفیہ نکاح و منفعلات نکاح وغیرہ کے
متعلق مقرر کیا جائے اس کے لئے مزید شرط یہ ہوگی کہ وہ مدارس اسلامیہ
مندرجہ فہرست ضمیمہ کا مستند تعلیم یافتہ ہوگا اور صفات مذکورہ کے
ساتھ وہ قاضی جو اس شہر یا قصبہ کا باشندہ ہو۔ خاندانی اثر رکھتا ہو
اور اس کے خاندان میں عہدۂ قضا نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہو وہ مستحق ترجیح
ہوگا۔ یہ قاضی حلقہ وار اپنے نائب مقرر کر دے گا جو دیندار اور نیک ہوں
اور وہ اپنے اپنے حلقوں میں نکاح پڑھائیں۔

(نوٹ از محمد میاں) گرام سدھار کے متعلق کانگریس کی اسکیم ہے کہ ہر گاؤں یا چند گاؤں
کے حلقہ میں ایک پنچایت بنائی جائے جس کو رفتہ رفتہ مقدمہ کے اختیارات دیئے جائیں۔ اور
معمولی مقدمات اس پنچایت کے سپرد ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ دیہاتی پنچایتیں بہت زیادہ مفید
ہیں۔ عام باشندے ان بے پناہ مصارف اور پریشانیوں سے نجات پا جائیں گے جو ان کو مقدمات
کی موجودہ صورتوں میں برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ نیز ہر ضلع میں جس قدر ڈپٹی مجسٹریٹ
اب مقرر کرنے پڑتے ہیں ان میں بہت کمی کر دی جائیگی جس سے قوم کا روپیہ بچے گا اور عام ہندوستانیوں
پر جو ٹیکسوں کی بھرمار ہے اس میں تخفیف ہو سکے گی۔ یہ تمام فوائد ہندو مسلمانوں کیلئے عام ہونگے
اور اس لئے ان کی مخالفت کرنا خود اپنی قوم کو نقصان پہنچانا ہوگا۔ لیکن شرعی نقطۂ نظر سے
ان پنچایتوں میں قباحت یہ پیش آئے گی کہ مسلمان طلاق و نکاح وغیرہ کے مقدمات بھی انہیں
پنچایتوں میں رکھیں گے کیونکہ ان کو اس میں سہولت نظر آئیگی لیکن یہ پنچایتیں چونکہ ہندو اور مسلمان
دونوں برادریوں پر اور یہ ممکن ہے بعض مقامات میں صرف ہندو ممبران پر مشتمل ہوں گی لہٰذا نکاح طلاق
وغیرہ شرعی امور میں ان پنچایتوں کے فیصلے شرعاً ناجائز ہوں گے تو مسلم حاکم کی شرط منظور
نہ کرسکنے کے باعث جو قباحت انفساخ نکاح کے سلسلہ میں اسوقت درپیش ہے اسوقت بھی رہے گی
یہ قاضی بل اس قباحت کا انسداد تھا یہ گرام سدھار کی پنچایتوں کے موازی مسلمانوں کیلئے ایک مخصوص نظام ہوتا

کیونکہ اس قسم کا کوئی نظام اگر آپ بچانا ہو تو آزاد ہندوستان یا خود مختار ہندوستان میں اسکا
تحفظ بہت آسان ہو بمقابلہ اسکے کہ مسلمان از سر نو آزاد ہندوستان میں اس قسم کا کوئی نظام قائم کریں۔

۵ اپریل [illegible]ء کو اجلاس اسمبلی

سیّد محمد احمد رضا صاحب کاظمی کی تقریر کے چند فقرے

میں قاضی بل پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا منصب قضا سے مسلمانوں کا بہت پرانا تعلق ہے مشترک سماجی اور مذہبی امور قاضیوں کے ذریعہ سے انجام پاتے ہیں نماز جمعہ اور عید کا انتظام۔ طلاق۔ نکاح۔ نابالغوں دیوانوں۔ گمشدگان کی تولیت اور نگرانی وغیرہ امور ان کے متعلق رہے ہیں۔ انگریزی دور کے آمد کے بعد قاضیوں کے ہاتھ سے ان کے بیشتر منصبی فرائض خارج ہو گئے۔

سنہ۱۷۹۳ء کی دفعہ ۹۳ کی تمہید میں مرقوم ہے :-

پٹنہ۔ ڈھاکہ۔ مرشد آباد۔ اور دیگر خاص پرگنوں اور قصبوں میں قاضی موجود ہیں۔ جو معاملات انتقال و تصدیق میں کاغذات کی تکمیل اور دیگر دستاویزات قانونی درباره تقریبات شادی اور دیگر امور شرعی کی تعمیل اور تکمیل کرتے ہیں۔ جن کو زیر حکومت برطانیہ وہ اب تک انجام دیتے رہے ہیں۔ قرق جائدادوں کا فروخت کرنا اور ریگولیشن سنہ۱۷۹۳ء (۱۷اور۲۴) کے تحت خیرات۔ وظائف اور بھتے بھی تقسیم کرتے رہے ہیں۔ (تمہید مذکور) مذکرہ امور اور فرائض کا تقاضا ہے کہ ایسے منصبوں پر نیک چال چلن اور قانونی قابلیت کے لوگوں کو مقرر ہونا چاہئے اور ان کی قدر افزائی ہونی چاہئے تاکہ محنت اور دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت ان کا منصب تسلیم کر لیا گیا تھا جو سنہ۱۸۶۴ء تک بھی شامل دستور رہا۔ اس وقت ایک قانون بنا کر یہ کہا گیا کہ آئندہ قاضی کا منصب قانونی طور پر قائم نہ رہے گا۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے ایک عائلی اور سماجی دشواری پیش آ گئی۔ قاضیوں کے واسطے نفاذ حکم اور اجراء فیصلہ کے لئے حکومت کی ضرورت تھی اور حکومت نے ان کے اختیارات ختم کر دئے تھے سنہ۱۸۸۰ء میں سر سید نے قانون ساز کونسل سے قانون ۱۲ منظور کرایا جس کا مضمون یہ تھا کہ کسی شہر کے مسلمانوں کی طرف سے درخواست موصول ہونے پر

وہاں قاضی مقرر کیا جائے گا۔ اور اس کی وضاحت کر دی گئی کہ اس کو عدالتی یا اور کسی قسم کے اختیارات نہ ہوں گے۔

یہ بیکار قانون بھی اپنی عبارت کی چند الجھنوں کے باعث قابل عمل نہ ہو سکا۔ میں اس وقت ۱۸۸۰ء کے قانون ۱۲ کو مفید اور قابل عمل بنانا چاہتا ہوں جو مسودہ بل میں نے پیش کیا ہے اس کے متعلق ہر ایک مناسب مسودہ کو قبول کر لوں گا اگر اس منشا کو پورا کرنے کے لئے اس سے بہتر مسودہ بل پیش کیا جائے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ اپنا مسودہ واپس لے لوں

اس سے پہلے میں نے مسلم قاضی بل پیش کیا تھا۔ بل آج تک مختلف اوقات میں ایجنڈا میں شامل رہا۔ لیکن آج میں حکومت اور مسلم لیگ پارٹی کے طرز عمل سے مایوس ہو کر آئندہ ایجنڈے پر رکھنا بیکار سمجھتا ہوں افسوس ہے کہ مسلم لیگ کے ارکان کو اس سادہ اور بے خطر بل پر غور کرنا بھی بار معلوم ہوا ہے اس بل کے ذریعہ مسلمانوں کی یہ دیرینہ شکایت رفع کرنی مقصود ہے کہ انفساخ نکاح وغیرہ مقدمات کے لئے مسلمان حاکم کی ضرورت ہے۔

میں نے مستند اور شہرۂ آفاق علماء مثلاً مولانا اشرف علی صاحب، مولانا حسین احمد صاحب وغیرہ سے مشورہ کر کے یہ دستور بنایا ہے جہاں تک حکومت کا تعلق ہے وہ انفساخ نکاح کے تصفیہ کے لئے آزاد عدالت قائم کرنے کو تیار نہیں۔ ایسے معاملہ میں حکومت کے اس قابل اعتراض رویہ کو نہیں سمجھ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ حکومت نے قانون وقف کے ماتحت عیسائیوں اینگلو انڈین اور یورپ والوں کو جو یہاں اتفاقی طور پر نکل آئے ہیں اور ملک کے مستقل باشندے نہیں ہیں۔ شادی کے قضیے طے کرنے کے لئے خاص عدالتوں کی سہولتیں بہم پہنچائی ہیں۔ حال ہی میں اس ایوان میں میرے سامنے ایک قانون کے ذریعہ پارسیوں کی شادی کے قضیے طے کرنے کے لئے خاص عدالتی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ مگر مسلمانوں کا سوال

آتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیں معمولی حق بھی دینا نہیں چاہتی۔

ہمارے سامنے مسلمانوں کی تنظیم کے ارادے تھے اور امید بھی کہ شرع محمدی کا نفاذ کرا کے اور کم سے کم جہاں تک ان کے نکاح اور طلاق کے قضیے ہیں ان کے شدید متعصبات رفع کر سکیں گے۔ مگر ہمیں جب ناکامی ہوئی تو ابتدائی ارادے ترک کر کے میں نے دوسرا بل پیش کیا جو اصلی بل کا محض ایک جز ہے۔ اور مجھے امید تھی کہ حکومت اس پر ہمدردانہ توجہ کرے گی کیونکہ اس کی طرف سے کہا گیا تھا کہ خاص عدالتوں کا قیام مختلف چیز ہے حکومت آزاد عدالتیں قائم کرنے کے لئے تیار نہیں لیکن جہاں تک شادیوں کا تعلق ہے حکومت غور کرنے اور منظور کرنے کے لئے تیار ہے[ل]۔ اگر مسلم ممبران اسمبلی اس کی تائید کریں۔ (رپورٹ اجلاس اسمبلی)

لیگی ممبران اسمبلی اس کی تائید تو کیا کرتے ان کو تقریر سننا بھی گوارا نہ تھا۔ چنانچہ چند مرتبہ اثنائے تقریر میں مداخلت کی۔ حتیٰ کہ صدر کو خاموش کرنا پڑا کاظمی صاحب کی تقریر کے بعد سر محمد یامین صاحب نے تقریر فرمائی مگر وہ سراسر استہزا اور مذاق تھا۔ کچھ توہین آمیز پھبتیاں تھیں مثلاً یہ کہ آپ قاضی ہیں اس لئے یہ بل اپنے خاندان کے مفاد کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ آپ نے صرف شمالی ہند کے چند مدارس کے علماء کا تذکرہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جن میں سے ایک بھی اعتراض سنجیدہ اور مہذب نہ تھا اور جب کہ ارکان لیگ اپنی پالیسی ظاہر کر چکے تھے کہ وہ بل کی حمایت نہ کریں گے تو در حقیقت سر محمد یامین کی تقریر کا منشا صرف وقت کو پورا کرنا اور ایک خیالی خاکہ کو بھر دینا تھا اور بس۔

نتیجہ یہ کہ ممبران قانون سر آمسوک رائے نے اعلان کر دیا کہ مسلم لیگ پارٹی کی سرگرم مخالفت کی وجہ سے حکومت سلیکٹ کمیٹی میں منتخبہ کمیٹی کے لئے سفارش نہیں کر سکتی۔ یہ ہے جمعیۃ علماء ہند جیسی کانگریسی جماعت۔ اور

ل کیا اس کو لیگ اور حکومت کا خفیہ ساز باز نہیں کہا جا سکتا۔ محمد میاں۔

مسلم لیگ جیسی حفاظت اسلام کی ٹھیکہ دار جماعت کے ایک کارنامے کی مختصر روئیداد۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔ آمین۔
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

محمد میاں عفی عنہ ۴ ذی الحجہ سنہ ۶۴ھ ۱۱ نومبر سنہ ۴۵ء

جمعیۃ علماء ہند کے نظریہ کو واضح کر دینے والے رسائل اور کتابیں

(۱) جمعیۃ العلماء کیا ہے۔ ۶/
(۲) تجاویز جمعیۃ علماء ہند (زیر طبع)
(۳) مسلم لیگ کیا ہے ۲/
(۴) شریعت بل اور لیگ ۱/
(۵) مسٹر جناح کا پراسرار معمہ اور اس کا حل ۲/
(۶) مختصر تاریخ جمعیۃ علماء ہند ۲/
(۷) ترکی بترکی (مسٹر اور مولوی کا سیاسی مکالمہ منظوم) ۲/
(۸) علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے (زیر طبع)
(۹) سول میرج ایکٹ اور لیگ ۲/
(۱۰) مسٹر جناح کی سیاسی غلطیاں ۲/
(۱۱) مجموعہ فتاوی متعلق شرکت کانگریس اور ازالہ شکوک ۳/
(۱۲) خطبہ صدارت شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب اجلاس سہارنپور ۸/
(۱۳) سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی تقریر سہارنپور ۲/
علامہ سید سلیمان صاحب کا خطبہ صدارت اجلاس کلکتہ ۱۲/
اور دیگر رسائل زیر طبع

ملنے کا پتہ

دفتر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی دفتر شعبہ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء صوبہ یو پی (مراد آباد)